ابراہیم نخعیؒ
شخصیت اور کردار

از جناب شاہ بلیغ الدین صاحب

زبان سے بے اختیار نکلا ـــــ ایسا کڑا وقت تو زندگی بھر نہیں آیا۔ سُننے والے گردنیں ڈالے خاموش بیٹھے رہے کہ جو کچھ حضرت ابراہیم فرما رہے تھے، سچ تھا۔

حضرت ابراہیم بن زید نخعی (ن خ ع ی) کا کوفے کے ممتاز تابعین میں شمار تھا۔ کیا علم اور کیا عمل دونوں میں طاق تھے۔ گھرانا بھی ایسا کہ مشکل سے اس کی نظیر ملتی ہے۔ حضرت اسودؓ ماموں تھے اور حضرت علقمہؓ چچا۔ دونوں بہت بڑے محدث تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ لڑکپن میں وہ انہی دونوں کے ساتھ حج پر جایا کرتے تھے۔ ایسا ہی ایک موقع تھا کہ جب وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سلام کو گئے۔ ان سے باتیں کیں اور اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ ـــــ حضرت ابراہیم فقہی گتھیوں کو سُلجھانے میں کمال رکھتے تھے۔ حدیث کے وہ ممتاز حافظ تھے۔ تفسیر پہ گہری نظر تھی لیکن بہت کچھ جان کر بھی کبھی دکھاوے اور بڑائی کے لیے علمی مسائل پہ بحث نہ کرتے۔ ہاں! کوئی پوچھتا تو بتاتے اور خوب اس کا دامن علمی نکات سے بھر دیتے۔ بڑے عالم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھتے۔ علمی ذمہ داری کا اس درجہ احساس تھا کہ فرماتے ـــــ جس کا جی چاہتا ہے آج مفسر بن بیٹھتا ہے، کل تک

تو ہمارے بزرگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

علم کی کمی آدمی میں غرور پیدا کرتی ہے اور علم کی زیادتی انکسار۔ ہمارے کالجوں اور جامعات میں جو بچے ذرا بولنے میں اچھے ہوں یا ایک دو شعر موزوں کر لیں یا ایک دو کہانیاں لکھ لیں، بس پھر ان کے دماغ ساتویں آسمان سے نیچے آتے ہی نہیں۔ کوئی اپنے آپ کو بوعلی سینا یا البیرونی سے کم نہیں سمجھتا۔ خود نمائی کا ہنر ہماری نئی نسل نے اس اہتمام سے اپنایا ہے کہ خالی ڈھول کی طرح پھول رہے ہیں۔ ان کے لباس ان کے عادات واطوار، ان کی تمنائیں اور تخیلات سب نمائشی ہیں۔ ان کی رہی سہی کسر اخبار اور رسالے پوری کر دیتے ہیں۔ چھوٹی عمر میں شہرت کی تمنا بھوت کی طرح سر پر سوار رہتی ہے۔ جب اخباروں میں نام آنے لگے اور تصویریں چھپنے لگیں تو یہ بچے جن کی زندگی کی ابھی ابتدا ہے اپنے آپ کو کسی بڑے عالمی سیاست دان سے کم نہیں سمجھتے اگر خوش قسمتی سے یہ صاحبزادے کسی درس گاہ میں یونین کے صدر ہوئے یا کسی اور ادارے کے عہدہ دار تو بس پھر اللہ دے اور بندہ لے۔ مسلم لیگ کی صدارت کر کے اور پاکستان بنا کے قائداعظم کو بھی شاید اپنی ذات کی اہمیت کا وہ احساس نہ ہوا ہو، جس کا مظاہرہ ان بچوں کی طرف سے دیکھنے میں آتا ہے۔

ہمارا ملک گندی سیاست کا اکھاڑہ تو ہے ہی، جامعات کی فضا بھی اس درجہ گھٹی ہوئی اور گندی ہے کہ کوئی کل سیدھی ہی نہیں۔ جس روز کا اخبار اٹھا لیجیے اس میں کہیں نہ کہیں یہ خبر پڑھنے میں آئے گی کہ بچوں نے درس گاہ کی انتظامیہ کو بے دخل کر دیا اور خود ہر چیز پر قابض ہو گئے۔ اس میلان کو اگر سختی سے کچلا نہ گیا اور طالب علموں نے حصولِ علم سے زیادہ زور دوسری باتوں پر دینا شروع کر دیا تو جو بچے درس گاہوں سے نکلیں گے ان میں نظم وضبط کا تصور سرے سے باقی ہی نہ رہے گا۔

ایسی سیاسی تنظیمیں جو طالب علموں کے مستقبل پر نظر نہیں رکھتیں وہ ملک وملت کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں؟ اب تو طالب علموں میں تشدد کی ایسی لہر اٹھی ہے کہ الامان! الحفیظ! جن ہاتھوں میں قلم تھے ان میں کلاشنکوف تھما دی گئی ہے۔ یہ بھی اس دور کی گرد ہی سیاست کا ایک تماشا ہے یا بیرونِ ملک کے تخریب کار اداروں کا عطیہ ہے۔ سوچیے کہ جب درسگاہوں

میں تعلیم ہی نہ ہو سکے گی تو کیا اچھے محقق، اچھے سائنسدان، اچھے انجینئر یا اچھے معلم پیدا کرنے میں ہم دوسری قوموں سے اتنے پیچھے نہ ہو جائیں گے کہ عالمی توازنِ قوت میں ہمارا کوئی مقام ہی نہ ہوگا۔ جب نئی پود محنت سے بھاگے گی اور فطرت میں بے قاعدگی سما جائے گی تو ملک کا دفاع بھی کمزور ہو جائے گا اور ہم اپنی آزادی کی حفاظت بھی نہ کر سکیں گے۔ یہ مایوسی کی بات نہیں یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ آخر کیوں ہم کم نظر، کم سواد اور کم ظرف رہنا چاہتے ہیں؟ ہم نہ مشرق کے ہیں نہ مغرب کے۔ جسے دیکھو باتیں بنانے کے فن میں اُستاد ہے۔ کافی ہوز یا چائے خانوں میں بیٹھ کر بڑی بڑی باتیں کر کے بحث و تکرار میں پڑ جانا بہت آسان کام ہے۔ اس طرح کوئی ابوحنیفہؒ کوئی غزالی کوئی ابن تیمیہ پیدا نہیں ہوتا۔ علم محنت سے آتا ہے۔ جسے علم کی لگن ہو وہ سستی شہرت کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ وقت آنے پر شہرت خود اُس کے پیچھے بھاگتی ہے۔

حضرت ابراہیم کا علم دریا کی طرح ٹھاٹھیں مارنے والا تھا۔ لیکن وہ سمندر کی طرح خاموش رہتے تھے۔ وہ شہرت اور دکھاوے کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ کوئی اگر ایک کلمہ بھی اِس نیت سے منہ سے نکالتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو جہنم کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب تک سوال نہ ہوتا وہ کسی علمی بحث میں دخل نہ دیتے۔

حدیث و فقہ دونوں کے امام تھے۔ امام بھی ایسے کہ بات ان پر ختم سمجھی جاتی۔ فقہ پر ان کی نظر کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ امام شعبیؒ بے اختیار کہہ اُٹھے کہ — ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور فقیہہ نہیں چھوڑا۔ وہ انہیں امام حسن بصری اور امام ابن سیرین پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پکڑ کے قائل نہ تھے۔ اپنے شاگردوں کو فروعات میں اُلجھنے سے روکتے تھے۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں آ کر مسجدوں پر تالے ڈال دیتے ہیں اور مخالف نقطۂ نظر کے حامل ثقہ سے ثقہ عالمِ دین کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے۔

روایت حدیث میں وہ الفاظ سے زیادہ مفہوم کی صحت کا خیال رکھتے تھے اور کسی بات کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنے سے پہلے بڑی چھان بین سے کام لیتے

تھے۔ ان کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ ابن معینؒ جیسی شخصیت نے امام شعبیؒ کی مُرسل حدیثوں پر ان کی مرسل روایتوں کو ترجیح دی۔

سلاطین اور امراء میں اللہ تعالیٰ کی محبت دیکھنے تو ان سے ملتے جلتے تھے۔ ان کے تحائف بھی لے لیتے لیکن اُن سے بڑھ کر اپنی طرف سے تحائف بھیجتے۔ دربار داری اور اثر و رسوخ کے لیے علم اور ریاضت کی سوداگری کو سخت بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ حکمرانِ وقت انصاف کو پامال کرتا تو پھر اُسے کبھی معاف نہ کرتے تھے۔

ریاکاری سے بہت بچتے تھے۔ طبقات الاولیاء میں علامہ شعرانی لکھتے ہیں کہ خوش پوش اور جامہ زیب تھے۔ لیکن فقر و فاقہ شعار تھا۔ طلحہ کا بیان ہے کہ جب لوگ سو جاتے تو وہ بہترین حُلّہ پہن کر خوشبو لگا کر مسجد جاتے اور صبح تک عبادت میں لگے رہتے۔ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ صبح کو حُلّہ اُتار کر پھر معمول کا لباس پہن لیتے۔

امام ذہبی نے انہیں تذکرۃ الحفاظ میں تیسرے طبقے میں شامل کیا ہے۔ وہ انہیں فقیہہ عراق لکھتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ ان کے بارے میں سائلین سے کہا کرتے تھے کہ ___ فتوٰی لینا ہے تو ابراہیم بن یزید النخعی (ن خ ع ی) کے پاس جاؤ۔ میرے پاس کیوں آتے ہو۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ ہم ابراہیم سے اس طرح ڈرتے تھے جیسے لوگ حاکم شہر سے گھبراتے ہیں۔ حضرت اعمش کا بیان ہے کہ ___ ابراہیم راتوں کو جاگ کر عبادت کرتے اور کبھی ہماری طرف آ نکلتے تو صاف معلوم ہوتا کہ بے حال اور بیمار ہیں۔ ویسے بھی ان کی بیوی ہنیدہ (ہ ن ی دہ) کا بیان ہے کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں سے سلام کا فقرہ کہنے سے منع کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ سلام تو صرف اہلِ ایمان کے لیے جائز ہے۔ غیر مسلموں سے ان کا مزاج پوچھ لیا کرو۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی نے طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب کوئی جانور سواری کے لیے کرائے پر لیتے تو اِدھر اُدھر موڑنا بھی گوارا نہ تھا۔ کوڑا اگر ہاتھ سے گر جاتا تو اُتر کر پیدل جاتے سواری کو موڑنا خلافِ دیانت سمجھتے تھے۔

فرماتے تھے کہ جب بیمار سے اس کا حال پوچھا جائے تو کہے کہ اچھا ہے، پھر اپنی تکلیف

بیان کرے۔ پہلا فقرہ ایذا پر صبر کرنے کا مظاہرہ ہے جو افضل عبادت ہے۔ ادھیڑ عمر کے تھے کہ ۹۶ھ میں حضرت ابراہیم سخت بیمار پڑے۔ آخر وہ دن آیا جو سب پر آتا ہے سانس اُکھڑنے سے پہلے سخت بے چین نظر آتے تھے۔ جیسے رہ رہ کر کوئی خیال ان کے ذہن کو ڈس رہا ہو۔ تیمارداروں نے پوچھا ___ کس بات کی پریشانی ہے ___ تو فرمایا کہ ___ عزیزو! ایسا کڑا وقت تو زندگی بھر نہیں آیا۔ بڑے امتحانی لمحے ہیں۔ یہ گزرے تو نہیں معلوم ___ کہ ابدالآباد تک کہاں ٹھکانہ ہوگا ___ جنت یا جہنم! یہ سوچتا ہوں تو دل کہتا ہے کہ حشر تک اسی سکرات کی حالت میں رہوں تو بہتر ہے!

یہ اس بزرگ کا حال تھا جس کے عالم باعمل ہونے کی دنیا گواہ تھی!